مقالات

اشتراکیت اور مذہب و اخلاق

(از جناب محمد فضل الرحمٰن صاحب انصاری بی۔ اے (علیگ۔))

[ذیل کا مضمون سنگاپور کے رسالہ (Genuine Islam) سے ترجمہ کر کے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں یہ اشتراکی فتنہ جس تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے اس کو روکنے کیلیے ضروری ہے کہ اس قسم کے مضامین کثرت کیساتھ شائع کیے جائیں تاکہ عامۂ مسلمین اور خصوصاً انکے علمار اس مسلک کی حقیقت سے واقف ہو جائیں۔

فاضل مضمون نگار ابھی تک اس غلط فہمی میں ہیں کہ اشتراکیت کا طاعون صرف نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں ہی میں سرایت کر رہا ہے۔ مگر ان کو معلوم نہیں کہ اب یہ جراثیم ہمارے "آزادی پسند" علمار کی جماعت میں بھی پہنچ گئے ہیں۔ یہ بے چارے علمار اشتراکیت کے اصل مآخذ تک تو پہنچ نہیں سکتے۔ ان کی معلومات کا تمام سرمایہ صرف ان لوگوں کے بیانات ہیں جو کانگریس کی خدمت میں ان کے شریکِ کار ہوتے ہیں اور انہیں دور سے اشتراکیت کے سراب دکھاتے ہیں۔ چنانچہ اپنے ان شرکار کار کے جادو سے مسحور ہو کر اب مولویوں نے بھی اشتراکیت کے سُر میں سُر ملانا شروع کر دیا ہے۔ ابھی ہم نے سنا کہ جمعیت العلمار کے ایک ذمہ دار رکن جو اس سے پہلے جمعیت کے نائب ناظم بھی رہ چکے ہیں، چشمِ بد دور، قرآن سے اشتراکیت ثابت فرماتے ہیں۔

ایک اور صاحب جن کا شمار ہندوستان کے مشہور مذہبی لیڈروں میں ہوتا ہے، صوبۂ متحدہ میں اشتراکیت کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ ایسے بے علم علماء اگر خدا کے سامنے اپنی جوابدہی کا حقیقی اعتقاد رکھتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ پہلے علم حاصل کریں، پھر زبان کھولنے کی جرأت کریں]

اسلامی دنیا اس وقت ایک ایسے نازک دور سے گذر رہی ہے جو اسلام کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت عام طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ اسلامی تخیل عموماً دماغوں سے نکل گیا ہے، اور اسلامی زندگی کے نظم وضبط سے بے پروائی بھی عام ہے۔ آجکل ایک اوسط درجہ کا مسلمان، اسلام کو یا تو چند رسموں کا ایک مجموعہ سمجھتا ہے، یا پھر ایک مبہم و غیر متعین اُفتادِ ذہنی خیال کرتا ہے، جس کا کوئی تعلق زندگی کے اہم مسائل سے نہیں ہے۔ وہ اس زبردست حقیقت کو قریب قریب بھول ہی گیا ہے کہ اسلام ایک مستقل تہذیبی نظام ہے، زندگی کا ایک ایسا جامع دستور العمل ہے جسکے احاطہ سے کوئی چیز بھی خارج نہیں۔

ایک طرف اسلام کے متعلق یہ غلط خیال ہے اور دوسری طرف خود اپنے آپ کو حقیر سمجھنے والی شکست خوردہ ذہنیت ہے، جس میں اسلامی دنیا اپنے سیاسی زوال کے بعد سے مبتلا ہے، اور جسکے اثر سے مسلمان روز بروز مغرب کی غیر اسلامی تہذیب کا زیادہ اور زیادہ اثر قبول کرتے جارہے ہیں۔ ان دونوں چیزوں نے مل جل کر خیالات کی دنیا میں ایک شدید خوفناک اختلال و انتشار پیدا کردیا ہے۔ اسلامی اور غیر اسلامی چیزوں کے درمیان امتیاز کرنیکی قوت تیزی کیساتھ مفقود ہوتی جارہی ہے، اور ہم ہر نئے تخیل کی رو میں بآسانی بہ نکلنے کیلئے تیار ہوجاتے ہیں، بشرطیکہ اس تخیل میں نرالا پن ہو اور وہ مغرب کی طرف سے آرہا ہو۔

اسکی ایک تازہ مثال ہمارے نوجوانوں کے ایک طبقہ میں اشتراکیت (کمیونزم) کی اشاعت ہے۔

ابھی اس جدید تحفہ کو آئے چند ہی سال ہوئے ہیں کہ ہاتھوں ہاتھ ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل نے اسکو لینا شروع کر دیا - ان میں سے ایک گروہ تو ایسا ہے جو جان بوجھ کر اشتراکیت کو ایک الگ "مذہب" سمجھتے ہوئے قبول کر رہا ہے ، مگر بہت سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے محض ظاہر میں یہ دیکھکر کہ اسلام اور اشتراکیت دونوں سرمایہ داری اور امپیریلزم کے خلاف ہیں ، دونوں غریب طبقوں کی رفاہیت چاہتے ہیں ، اور دونوں انسانی مساوات کے داعی ہیں ، یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور مسلمان بیک وقت مسلمان بھی ہوسکتا ہے اور اشتراکی بھی ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع بھی کر سکتا ہے اور مارکس کا بھی -

مگر کیا یہ حقیقت ہے ؟ اشتراکیت کے عقائد کا ایک سادہ بیان ہی یہ ثابت کرنیکے لیے کافی ہے کہ ان دونوں میں بعد المشرقین کی نسبت پائی جاتی ہے - اشتراکیت عین ضد ہے اسلام کی -

اشتراکیت کا مقصد موجودہ زمانہ کی اشتراکی تحریک ، جسکا مرکز روس ہے ، اور جسکا جال تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے ، ۱۸۴۷ء میں شروع ہوئی تھی ، جبکہ برسلز (Brussels) میں جرمن دوروں کی سوسائیٹی نے "اشتراکی اعلان" (Communist Manifsrto) شائع کیا - یہ جماعت پہلے "انجمن اہل عدل" (League of the Just) کے نام سے موسوم تھی - پھر اس نے اپنا نام مشترکین (Communes) رکھ لیا - جدید "معاشی مذہب" کے داعی کارل مارکس اور انجلز (Engels) نے اسکا اعلان مرتب کیا اور یہی اعلان اشتراکی تعلیمات کی اساس قرار پایا -

تاریخ میں اس سے پہلے ایک اور اشتراکی تحریک کا بھی پتہ چلتا ہے جسکی بنا چھٹی صدی عیسوی میں مزدک ایرانی نے رکھی تھی - اس پرانی اشتراکیت کے دو اصول تھے (۱) مال و دولت میں تمام انسانوں کی مساوات - (۲) تمام عورتوں کا تمام مردوں کیلیے مباح ہونا - اس دوسری اصل نے خصوصیت کیساتھ فواحش کا ایک سیلاب عظیم یکایک برپا کر دیا ، جس سے ایک عام اضطراب رونما ہوا اور آخر بہت جلدی یہ تحریک فنا کر دی گئی -

جدید اشتراکیت ابتدا میں محض ایک معاشی نظریہ کی حیثیت سے پیدا ہوئی جسکا مقصد اسکے سوا کچھ نہ تھا کہ شخصی ملکیت کو ختم کرکے دولت اور اسکے وسائل آفرینش کو سب لوگوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے، لیکن رفتہ رفتہ وہ معاشیات کی حد سے نکلنے پر مجبور ہوگئی، کیونکہ زندگی کے تمام شعبے باہم مربوط ہیں، کسی ایک شعبے میں کوئی بنیادی انقلاب بغیر اسکے نہیں ہوسکتا کہ تمام دوسرے شعبوں کو ادھیڑ کر از سر نو مرتب کیا جائے - اسی بنا پر اشتراکیت کو پوری انسانی زندگی کیلیے ایک ایسا نظریہ، اور ایک ایسا ایجابی فلسفہ وضع کرنا پڑا جس میں یہ جدید انقلابی نظم معیشت کھپ سکتا ہو- اور چونکہ معاشی اشتراکیت کی تہ میں مادیت کے سوا کوئی دوسری بنیاد نہ تھی، اسلیے جو نظریۂ حیات اور نظام فلسفہ اسکی فطرت سے مناسبت پیدا کرنیکے لیے وضع کیا گیا، وہ سراسر ایک مادہ پرستانہ (Materialistic) نظریہ اور نظام بنکر رہا، اور اسکو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا- اب جس اشتراکیت سے ہم دو چار ہیں، یہ محض غریبوں اور مفلسوں کے معاشی مسائل کا حل ہی نہیں ہے، بلکہ اسکے ساتھ وہ اخلاق، تمدن و تہذیب، اور مابعد الطبیعی تخیلات کا ایک مستقل نظام بھی ہے، اور کوئی شخص اس پورے نظام کو قبول کیے بغیر محض اشتراکی معاشیات کو اختیار نہیں کرسکتا-

ایک طرف خالص مادہ پرستانہ نظریۂ حیات، اور دوسری طرف غریب و مفلس، مصیبت زدہ انسانوں کیساتھ ہمدردی کا شریف روحانی جذبہ! ان دونوں میں آخر کیا ربط ہے؟ اس سوال نے بہت سے لوگوں کو پریشانی میں ڈالا ہے- مگر بیسویں صدی کے عجائب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اشتراکیت ان دونوں متضاد چیزوں کو ایک نظام میں جمع کرنا چاہتی ہے -

وہ آخر ان دونوں کو جمع کیوں کرنا چاہتی ہے؟ حیرت زدہ آدمی پھر یہ سوال کریگا- اسکا سرسری جواب یہ ہے کہ اشتراکیت کا ان دو متضاد چیزوں کو جمع کرنا کچھ اس بنا پر نہیں ہے کہ ان

دونوں میں کوئی حقیقی رابطہ دریافت ہوگیا ہے، بلکہ دراصل کئی صدیوں کے دوران میں حالات کا ارتقاء جس راستہ پر ہوتا رہا ہے اسکے دباؤ نے مزدوروں کیساتھ ہمدردی رکھنے والے لوگوں کو آخر کار مادّہ پرستی کا امام بنا کر چھوڑا ہے۔ یورپ میں جب اسلام کے اثر سے عقل و حکمت کی روشنی پہنچی تو مسیحیت نے اسکی مزاحمت کی۔ اس مزاحمت نے عقل و حکمت کے داعیوں کو پہلے مسیحیت سے، پھر مذہب سے، اور پھر مذہبی اخلاقیات سے بعید اور بعید تر کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ سائنس اور فلسفہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ یورپ پر مادّیت بھی چھاتی چلی گئی۔ جس وقت محنت پیشہ طبقوں میں بیداری پیدا ہوئی وہ وقت ایسا تھا کہ یورپ کے افکار اور اسکے تمدن و تہذیب میں مادّہ پرستی جڑ تک اتر چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو علماء اور مفکرین محنت کش طبقوں کی اصلاح حال کیلیے اُٹھے ان کو حل مشکلات کے لیے مادّیت کے سوا کوئی اور بنیاد ہی نہ مل سکی۔ کارل مارکس جو بجا طور پر اشتراکیت جدیدہ کا باپ کہا جاتا ہے، مذہب کا سخت دشمن اور ایک شدید مادّہ پرست شخص تھا۔ اس پر مزید یہ کہ وہ یہودی النسل بھی تھا جسے مسیحیت کی نفرت اپنے باپ دادا سے ورثہ میں ملی تھی۔ ان دو اسباب کے ساتھ خود مسیحیت کے اپنے نقائص بھی مل گئے۔ سب کے امتزاج سے جو نتیجہ برآمد ہوا وہ یہ تھا کہ ابتدا ہی سے مارکس نے اشتراکی تحریک کو مادّہ پرستی اور لادینی کی راہ پر ڈال دیا۔ مذہب کے خلاف اشتراکیت کے عناد نے اسوقت اور بھی زیادہ شدت اختیار کی جب روس میں اس تحریک کا مقابلہ زار کی سلطنت اور مسیحی چرچ کے ناپاک اتحاد سے ہوا۔ وہاں مسیحیت اور زاریت دونوں ایک دوسرے سے ہم رشتہ تھے اور دونوں مل کر باشندگان ملک کا خون چوس رہے تھے۔ انہوں نے اپنی متحدہ طاقت سے اشتراکیت کا سر کچلنے کی کوشش کی، اور اشتراکیت انتہائی تلخی و نفرت کیساتھ دونوں سے نبرد آزما ہوئی۔ آخر کار جب ۱۹۱۷ء میں زار کی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور لینن کی اشتراکی جماعت وہاں برسرِ اقتدار آئی تو اس نے سوویٹ یونین کے حدود میں مذہب کو بزورِ شمشیر مٹا دینے

کا عزم کرلیا، اور تمام دنیا میں سرمایہ داری اور مذہب کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔

یہ بات کہ اشتراکیت خدا کی دشمن ہے، اور خدا پرستی سے اسکی مصالحت غیر ممکن ہے، یہ اب ایسی ایک یقینی بات ہو چکی ہے جسکے متعلق دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ کتاب "گاندھی اور لینن" کا مصنف لکھتا ہے کہ "لینن اپنی تقریروں اور تحریروں میں بار بار اس امر کا اعادہ کرتا ہے کہ اشتراکی عوام اور انکے لیڈروں کو اپنی پوری طاقت خدا کو بے دخل کرنے پر صرف کر دینی چاہیے، کیونکہ اشتراکی نظامِ اجتماعی کا سب سے بڑا دشمن یہی خدا ہے"۔

مزدوروں کے ماہوار جریدہ (Labour Monthly) مورخہ دسمبر ۱۹۲۶ء میں خود لینن کے یہ الفاظ شائع ہوئے ہیں:-

"مذہب لوگوں کیلیے افیون کا حکم رکھتا ہے۔ مارکسی مسلک کی نگاہ میں اس وقت کے تمام مذاہب اور مذہبی نظام دراصل متوسط خوشحال طبقہ کی رجعت پسندی کے آلاتِ کار ہیں، اور محنت کش طبقہ کو فریب دینے اور لوٹنے کیلیے دھوکے کی ٹٹی کا کام دیتے ہیں"۔

ایک اشتراکی مصنف بخارین پرایوبرازنسکی (Buharin Priobrazhensky) اپنی کتاب اشتراکیت کی الف بے (A.B.C. of Communism) میں لکھتا ہے:

"یہ اشتراکی جماعت کا کام ہے کہ اس صداقت (یعنی کارل مارکس کے اس قول کی صداقت کہ مذہب لوگوں کیلیے افیون کا حکم رکھتا ہے) کو محنت کش عوام کے زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچائے اور انکے ذہن نشین کردے۔ .... مذہب اور اشتراکیت دو بالکل متضاد چیزیں ہیں، نظری حیثیت سے بھی اور عملی حیثیت سے بھی .... جو اشتراکی اپنے ساتھ مذہبی عقیدہ بھی ... لیے ہوئے چلتا ہے اس کو درحقیقت اشتراکیت سے کوئی واسطہ نہیں"۔

روس کا پرجوش حامی، پروفیسر ہیکر (Julius F. Hacker) اپنی کتاب

(Religion under the Soviet) میں لکھتا ہے:-

"اشتراکی محض لا مذہب اور مادہ پرست ہونے ہی پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ وہ لا مذہبی مادہ پرستی کا مجاہد بھی ہوتا ہے۔ وہ صرف یہی نہیں چاہتا کہ اسکی جماعت کا ممبر اپنے لا مذہب ہونے کا اعتراف کرے، بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ پورے جوش اور سرگرمی کیساتھ غیر اشتراکی لوگوں میں لا مذہبی اور فلسفۂ مادیت کی اشاعت کرے اور نوجوانوں کی تعلیم کا پروگرام اس طرح بنائے کہ آئندہ نسل خود بخود مادہ پرستی کا عقیدہ لے کر اٹھے۔ .... اسکے نزدیک کوئی دوسری زندگی نہیں ہے جو بعد میں آنے والی ہو۔ اسلیے وہ اپنی اسی زمین کی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانیکی کوشش کرتا ہے .... کمیونسٹ پارٹی کی تحریک پر ایک خاص سوسائیٹی انجمن منکرین خدا (Union of the God less) کے نام سے قائم کی گئی جس کا مقصدِ وحید اس مسلک کی تبلیغ و اشاعت کرنا ہے .... اس انجمن کو کمیونسٹ پارٹی کی پوری تائید حاصل ہے، بلکہ درحقیقت یہ اسکی متعدد تبلیغی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے"۔ (صفحہ ۹۳ - ۱۹۲)

غیر مادّی خدا سے اپنا تعلق قطع کرکے اشتراکیت نے اپنے مندر میں جسمانی خواہشات کا بت بٹھایا ہے اور اس مندر کے پجاری، جو اپنے تعصب میں مذہبی دیوانوں (fanatics) سے کسی طرح کم نہیں ہیں، پورے زور شور سے اس امر کی تلقین کرتے ہیں کہ انسانی اعمال کے اصلی محرکات یہی بھوک اور شہوت کے محرکات ہیں، لہذا صرف انہی کی پرستش کرنی چاہیے۔ اشتراکیت نے انسان کو ایک مشین فرض کرکے جو میکانکی نظریۂ حیات (Mechanistic view of life) اختیار کیا ہے، اسکی تبلیغ و اشاعت کا نتیجہ یہ ہے کہ اشتراکی سوسائیٹی میں اخلاق کی بنیادیں مسمار کر دی گئی ہیں۔ خاندان کے بجائے فرد کو معاشرہ کا جزوِ ترکیبی (Unit) قرار دیا گیا ہے، اور اہلی زندگی کے نظام کی پراگندگی نے انسانی اخلاق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے۔ اشتراکی

کے نزدیک انسان زمین پر خدا کا خلیفہ نہیں ہے، بلکہ محض حیوانات کی بہت سی انواع میں سے ایک نوع ہے۔ اس میں اور دوسرے حیوانات میں بس اتنا فرق ہے کہ یہ تعقل کی زیادہ ترقی یافتہ قوتیں رکھتا ہے، مگر جو ترقی یافتہ قوتیں اسکے پاس ہیں ان کا مصرف اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ حیوانی مقاصد ہی کو زیادہ کمال کے ساتھ پورا کرنے میں ان سے کام لیا جائے۔ اس نقطۂ نظر سے جب ہم کمیونزم کے کارنامے کو دیکھتے ہیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ مشترک ملکیت، اور وسائل دولت آفرینی کے اجتماعی تصرف سے غریبوں کو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ اُس نقصانِ عظیم کے مقابلہ میں ہیچ ہیں جو اشتراکی فلسفہ اور اشتراکی نظم اجتماعی کی بدولت اخلاق اور انسانیت کو پہنچتا ہے، کیونکہ وہ پیٹ کو روٹی اور تن کو کپڑا بہم پہنچانے کے معاوضہ میں وہ چیز انسان سے چھین لیتی ہے جس کی بدولت انسان، انسان ہوتا ہے۔

اگر خدا اور یوم آخر کا اعتقاد نہ ہو، اگر طبعی قوانین (Physical laws) سے بالاتر ایک اخلاقی قانون کی حکومت نہ ہو، اگر انسان کا انتہائی مطمح نظر محض حیوانیت ہی کا نشو و ارتقاء ہو، تو راست بازی، وفاداری، اخلاص، دیانت، امانت، عصمت و عفت، احترام حقوق اور احترام انسانیت کے سارے مذہبی و اخلاقی اصول خود بخود ختم ہو جاتے ہیں، حتی کہ باپ اور بیٹی، ماں اور بیٹے، بھائی اور بہن کے تعلقات کی پاکیزگی کے لیے بھی کوئی بنیاد باقی نہیں رہ سکتی۔ اشتراکی سوسائیٹی میں یہ صورتِ حال عملاً پیدا ہو چکی ہے۔ وہاں مرد و عورت کے تعلق کو نکاح کی قید سے آزاد کر دیا گیا ہے۔ نکاح میں کوئی اہمیت اور کوئی تقدس باقی نہیں۔ آزادانہ شہوانی تعلقات کو نہ صرف جائز بلکہ پسند کیا جاتا ہے، اور اس تخیل کو دماغوں سے نکال دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ایک شخص کسی عورت کو اپنی بیوی قرار دے اور صرف اپنے لیے مخصوص کر کے رکھنا چاہے۔ انسانی ضروریات کے تمام وسائل جس طرح اسٹیٹ کی ملکیت اور سب باشندوں میں

مشترک ہیں، اسی طرح شہوانی خواہشات کو پورا کرنے کا ذریعہ بھی بہرحال انسانی ضروریات سے تعلق رکھتا ہے، اسکو بھی اسٹیٹ کی ملکیت اور تمام باشندوں میں مشترک ہونا چاہیے۔ بیوی، سب کی بیوی ہے، اور شوہر سب کا شوہر ہے۔ کسی کو کسی کے لیے مختص بالذات نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے آزادانہ تعلقات سے جو بچے پیدا ہوں وہ بھی اسٹیٹ کی ملکیت ہیں۔ اور چونکہ اسٹیٹ کو ان بچوں کی پرورش کا بار اٹھانا پڑتا ہے، اسلیے وہ حق رکھتا ہے کہ وقتاً فوقتاً بچوں کی پیدایش کو اپنے وسائل پرورش کے لحاظ سے گھٹانے اور روکنے کی تدابیر اختیار کرے، چنانچہ اسی غرض کیلیے اسقاطِ حمل اور منع ولادت کا انتظام سرکاری طور پر کیا جاتا ہے۔ یہ نقشہ ہے اُس سوسائٹی کا جو ایک اشتراکی اسٹیٹ کے ماتحت بنائی گئی ہے۔ ایک روسی مصنف (Arlsy bashev) اپنے ایک ناول میں جس کا نام (Samine) ہے یہ خیالات ظاہر کرتا ہے کہ شراب خوری اور زنا کوئی قابلِ شرم چیزیں نہیں ہیں۔ گناہ کوئی چیز نہیں۔ محبت کرنا، خوب پینا اور عورت کا تعاقب کرنا، خاصۂ مردانگی ہے، ایک فطری جذبہ ہے، اور جو چیز فطری ہو وہ گناہ کیسے ہو سکتی ہے[1]۔ یہ اس مصنف کے خیالات ہیں جو کمیونسٹ سوسائٹی میں اخلاقی ڈسپلن قائم کرنے کا پر زور وکیل ہے۔

اشتراکی اخلاق کوئی حقیقی، متعین اور ثبوتی (Positive) چیز نہیں ہے۔ اشتراکیت نے ان تمام بنیادوں کو ڈھا دیا ہے جن پر ہزارہا سال سے انسانی اخلاق کا ڈھانچہ قائم تھا۔ ان کے بجائے وہ صرف ایک اخلاقی اصول وضع کرتی ہے، یعنی یہ کہ "ہر وہ چیز جو قیام اشتراکیت کی جدوجہد میں مددگار ہو، خیر ہے، اور ہر وہ چیز جو اس میں مزاحم ہو، شر ہے[2]"

لینن اس نکتہ کو بالکل واضح الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

---

[1] Religion Under the Soviet. P. 164

[2] A.B.C. of Communism

"ہم ہر اس اخلاقیت کو رد کرتے ہیں جو فوق الفطری (Supernatural) تخیلات یا ایسے تخیلات سے نکلی ہو جو طبقاتی تصورات سے ماوراء ہوں۔ ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اخلاق تابع ہے طبقاتی جنگ کے مفاد کا۔ ہر وہ چیز اخلاقاً جائز ہے جو قدیم اجتماعی نظام کو مٹانے اور محنت کش عوام کو ایک کرنے کیلیے ضروری ہو.......... جس طبقہ کو اب تک لوٹا جاتا رہا ہے، وہ جب اپنے دشمنوں کے خلاف جدوجہد کریگا تو ایسی جدوجہد میں جھوٹ اور مکر و فریب کے ہتھیاروں کا استعمال ناگزیر ہوگا"

اشتراکی تدابیر اشتراکی نظریۂ زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد اب ہم ان تدابیر کی طرف توجہ کرینگے جو مذہب کے اثرات کو دبانے کیلیے اشتراکی حضرات اختیار کرتے ہیں۔ لینن کہتا ہے:

"مذہب سے جنگ کا قریبی تعلق اس جدوجہد سے ہونا چاہیے جو تمدن و معاشرت کی جڑوں سے مذہب کے نفوذ و اثر کو نکال پھینکنے کے لیے کی جاتی ہے[1]"

مسٹر ادھیکاری ہندوستان میں اشتراکیت کے سب سے زیادہ ممتاز داعیوں میں سے ایک ہیں۔ میرٹھ کے مقدمۂ سازش میں جب وہ ملزم کی حیثیت سے عدالت کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے اپنے بیان میں فرمایا:

"مارکس کے پیرو اور مادہ پرست ہونے کی حیثیت سے ہم مذہب کے قطعی مخالف اور خدا کے منکر ہیں۔ مگر ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ مذہب کے خلاف محض ایک نظری اور خیالی پروپیگنڈا کرنے سے مذہب کا استیصال نہیں ہوسکتا۔ لینن اس بات پر زور دیتا ہے کہ مذہب کے خلاف جدوجہد طبقاتی جنگ

[1] The Labour Monthly for December 1926

کی بنیاد پر ہونی چاہیئے[1]۔ استیصالِ مذہب کی تبلیغ کے بارے میں ہماری جو روش ہے، اسے واضح طور پر کمیونسٹ انٹرنیشنل (اشتراکیوں کی بین الاقوامی انجمن) کی پانچویں کانگریس نے حسب ذیل الفاظ میں واضح کر دیا ہے:-

"بورژوا طبقہ کے پھیلائے ہوئے تعصبات[2] و توہمات کے خلاف جدوجہد کے جتنے شعبے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت مذہب کے خلاف جنگ کی ہے۔ مگر یہ جنگ نہایت ہوشیاری اور احتیاط سے ہونی چاہیے، خصوصاً محنت کش عوام کے ان طبقات میں جنکی روزمرہ کی زندگی میں مذہب بہت گہری جڑوں کے ساتھ جما ہوا ہے"

[1] ترجمان القرآن — یہ مقام ذرا سی تشریح چاہتا ہے۔ اشتراکیوں کا خیال یہ ہے کہ اگر مذہب کے خلاف محض نفرت انگیز پروپیگنڈا کیا جائے، اور خدا اور اسکے پرستاروں پر لعن وطعن کی جائے تو اس سے کام نہ چلیگا، بلکہ شائد مذہبی خیالات رکھنے والے اپنے عقائد میں اور زیادہ شدید ہو جائینگے۔ لہذا مذہب کے استیصال کی صحیح تدبیر یہ ہے کہ مفلس عوام کو روٹی کیلیے متوسط اور اعلی طبقوں کے خلاف لڑایا جائے اور اس لڑائی میں دو مقصد اپنے پیشِ نظر رکھے جائیں۔ ایک یہ کہ بھوکے عوام اشتراکیوں کو اپنا ہمدرد سمجھ کر اپنی باگیں بالکل انکے ہاتھوں میں دیدیں۔ دوسرے یہ کہ متوسط اور اعلیٰ طبقوں کے خلاف عوام کی جدوجہد محض معاشی مسائل ہی کو حل کرنے کیلیے نہ ہو بلکہ اُس اجتماعی نظام کو بالکل توڑ پھوڑ دینے کیلیے ہو جو قدیم مذہبی و اخلاقی تصورات پر تعمیر ہوا ہے۔ یہ دونوں مقصد جب تک پوری طرح حاصل نہ ہوں، اس وقت تک لامذہبی کی تبلیغ ذرا نرم انداز میں ہونی چاہیے اور جاہل عوام کو وقتاً فوقتاً اطمینان دلاتے رہنا چاہیے کہ ہم تمہارے مذہب کو ہاتھ نہیں لگاتے، ہم تو فقط روٹی کا سوال حل کرنا چاہتے ہیں جس سے مذہب کسی طرح بھی متاثر نہیں ہوتا۔ پھر جب عوام پوری طرح قابو میں آجائیں اور طبقاتی جنگ اس نوبت پر پہنچ جائے کہ قدیم تمدن و معاشرت کی جڑیں ہل چکی ہوں، تو اس وقت نئی اشتراکی سوسائٹی کی تعمیر شروع کردی جائے، اور یہ تعمیر ایسے نقشہ پر ہو جس میں مذہب کے لیے کوئی

اشتراکیت کے ثمرات اشتراکیت کے ثمرات کو منفعتِ عامّہ سے کوئی دور کا لگاؤ بھی نہیں - اشتراکی بڑی بلند آہنگی سے شور مچاتے ہیں کہ مذہب دنیا میں خونریزی و بدامنی کا سب سے بڑا سبب ہے، اور دنیا کو امن نصیب ہی نہ ہوگا جب تک کہ مذہب کو مٹا کر اسکی جگہ اشتراکی نظام قائم نہ کر دیا جائے - (ملاحظہ ہو Dialectical Materialism by v. Adorutsky.) مگر واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں خونریزی و بدامنی پھیلانے والے جتنے عناصر ہیں ان میں خود اشتراکیت کا نمبر سب سے پہلا ہے، اسلیے کہ اسکی بنیاد نفرت اور حسد پر رکھی گئی ہے، اور اسکے برعکس وہ مذہب جسکی بناء انسانیت کے احترام اور خدا کی محبت پر ہے، امن کے قیام اور حقوق انسانی کی حفاظت کیلیے سب سے بڑی طاقت ہے - یہاں اس بحث

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷ - جگہ نہ ہو -

یہ اشتراکیوں کا اصلی نقشۂ جنگ ہے، اور ہندوستان میں جو حضرات اشتراکی تبلیغ کر رہے ہیں انکی روش سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ہوشیاری کیساتھ اس نقشے پر کام کر رہے ہیں - ترجمان القرآن میں ان حضرات کی متعدد تحریریں نقل کر کے اس نقشے کی توضیح کی جا چکی ہے مگر ہمارے بھولے بھالے علماء، خدا انکو ہدایت نصیب کرے، ابھی تک یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ "آزادی کے سپاہی" فقط برطانوی شہنشاہی کی جڑیں کھودنا چاہتے ہیں -

اشتراکیوں کو اسوقت سب سے زیادہ ضرورت جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں مسلمانوں کے عوام تک پہنچنے کا موقع مل جائے، اور یہ عوام ان پر اعتماد کر کے انکی باتیں گوشِ دل سے سننے پر آمادہ ہو جائیں - اس تعارف، بلکہ حسنِ تعارف کیلیے وہ علماء کی مدد کے محتاج ہیں، اور قربان جائیے اس مقدس نعرۂ آزادی کے، کہ علماء نے بڑی خوبی کیساتھ یہ خدمت انجام دینی شروع کر دی ہے - کچھ مدت اسی طرح اور گذر جائے تو اشتراکیوں کا مقصد پوری طرح حاصل ہو جائیگا - عوام پر قابو پانے کے بعد یہ اپنا اصلی کام شروع کرینگے، اور اسوقت اگر علماء نے شور مچایا تو یہی "آزادی کے سپاہی" ان پر "رجعت پسند"، "بورژوا" اور "ٹوڈی" کے آوازے کسینگے اور عوام سے کہینگے کہ لینا ان جبہ پوشوں کو جو پھر تمہیں مذہب کی افیون پلا کر سرمایہ داری کا جوا تمہاری گردنوں پر رکھنا چاہتے ہیں - اس وقت ہر

کو تفصیل کیساتھ پیش کرنے کا موقع نہیں - میں صرف اُن بلند آہنگ اشتراکیوں کی اخلاقی جسارت کی داد ہی دینے پر اکتفا کرونگا جو معصوم حامیانِ امن کی صورت میں ہمارے سامنے آکر مذہب کی خونریزیوں کا شکوہ کرتے ہیں، درانحالیکہ خود انکی اپنی تاریخ خون اور آگ کے افسانے سے بھری پڑی ہے، اور انہوں نے صرف بیس سال کی مختصر مدت میں اتنا انسانی خون بہایا ہے کہ مذہب غریب صدیوں میں بھی نہیں بہا سکا ہے - جان وین ہرڈ (John Wynne Hird) جس نے اپنی زندگی کے تیس سال روس میں گذارے ہیں، اور جسکی شہادت اس باب میں ایک وقیع شہادت ہے، اشتراکی مظالم کی داستان اعداد و شمار میں بیان کرتا ہے - ان اعداد و شمار کو دیکھیے اور خود فیصلہ کر لیجیے -

۱۹۳۴ء تک جتنے آدمیوں کو روس کی اشتراکی حکومت نے ہلاک کیا انکی طبقہ وار فہرست حسب ذیل ہے [۱]:-

بشپ اور پیشوایانِ دین	۳۱
اہلِ خدماتِ کلیسا	۱۵۶۰

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸ - "آزادی پسند" مولوی یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا پکارتا نظر آئیگا، اور اسے معلوم ہوگا کہ دنیا کے اسلام کے پورے ایک چوتھائی حصے کو کفر و الحاد اور بداخلاقی کی جہنم میں پہنچا کر اس نے اپنی عاقبت کیلیے کتنا اچھا توشہ فراہم کیا ہے -

حاشیہ صفحہ ۲۸ ترجمان القرآن - اشتراکیوں کے نزدیک مذہب دراصل متوسط خوشحال طبقہ (بورژوا) کی پیدا کی ہوئی چیز ہے، اور اُس "مبغوض طبقہ" نے اُس مبغوض تر چیز کو اسلیے پیدا کیا ہے کہ محنت پیشہ عوام کو مذہب کا نشہ پلا کر اپنے قابو میں لائے اور اپنے مقاصد کیلیے اُن سے خدمت لے - جن اشتراکیوں کے نام مسلمانوں کے سے ہیں انکے نام و نسب سے دھوکہ نہ کھائیے - اسلام کے متعلق انکا تصور بعینہ یہی ہے، اور اسی بنا پر سیاسیات میں جب مسلم حقوق کا نام آتا ہے تو انکے منہ بگڑ جاتے ہیں اور یہ تیوری چڑھا کر کہتے ہیں کہ مذہب کو کیوں بیچ میں لاتے ہو -

[۱] ملاحظہ ہو ڈیلی گزٹ کراچی مورخہ ۵ / ۶ جون ۱۹۳۴ء

جج، وکلا اور مجسٹریٹ	۳۴۵۸۵
اساتذہ اور طالبان علم	۱۶۳۶۷
سول عہدہ دار	۷۹۰۰۰
اونچے طبقوں کے لوگ	۶۵۸۹۰
فوجی عہدہ دار	۵۶۳۴۰
مزدور اور محنت پیشہ لوگ	۱۹۶۰۰۰
سپاہی اور ملاح	۲۶۸۰۰۰
کسان	۸۹۰۰۰۰

یہ ۱۹۳۴ء تک کے اعداد ہیں۔ اس کے بعد چار سال میں ان "اشتراکی فرشتوں" نے امن و امان کی جو مزید خدمت کی ہوگی اسکا اندازہ ناظرین خود کرسکتے ہیں۔

اشتراکیت کی ناکامی روس میں اشتراکی اصولوں کا تجربہ نہایت وسیع پیمانہ پر اور انتہائی مبالغہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر ہم سوویٹ حکومت کے کارنامے کو اشتراکیت کے حسن و قبح کا معیار قرار دیں تو بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اشتراکیت کو حقیقت میں ناکامی ہوئی ہے، اور ناکامی بھی نہایت شرمناک۔ حکومت روس کی عظیم الشان فوجی طاقت کو دور سے دیکھ کر اشتراکیت کی کامیابی کا نشان سمجھنا غلطی ہے۔ فوجیت کا ارتقاء نہ تو کسی اجتماعی اصول کی خوبی پر دلالت کرتا ہے، اور نہ فی نفسہٖ یہ کوئی اچھی علامت ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ انسان کے مرتبے کو بلند کرنے میں اشتراکیت کو کہاں تک کامیابی ہوئی؟ کیا اس نے عوام کی حکومت عوام کے فائدے کیلیے قائم کی؟ کیا اس نے پائدار بنیادوں پر ایک عادلانہ نظام اجتماعی مرتب کیا؟ کیا اس نے ایک صالح تمدن تعمیر کیا؟ کیا اس نے جمہور کی مصیبتوں کا علاج کردیا؟ ڈھٹائی کے ساتھ زبانی دعوے جس قدر

چاہیں کئے جا سکتے ہیں، مگر واقعات اور حقائق سے ان سوالات کا جواب اثبات میں نہیں دیا جا سکتا۔

جب ۱۹۱۷ء میں زار کی حکومت ختم ہو گئی تو کسانوں اور مزدوروں کی ایک کانسٹی ٹیوشنل اسمبلی بنائی گئی جسکا صدر لینن تھا۔ ۷ رجنوری ۱۹۱۸ء کو رات کے وقت لینن نے یکایک اس اسمبلی کو توڑ دیا اور اپنی ڈکٹیٹرشپ قائم کر دی جس پر وہ مرتے دم تک (۱۹۲۴ء تک) مسلط رہا۔ اس کے بعد اسٹالن اس کا جانشین ہوا اور وہ اب تک روس کا مطلق العنان فرمانروا ہے جسکے اقتدار سے زار کے اقتدار کو کوئی نسبت نہیں۔ پروفیسر ہیکر اس باب میں لکھتا ہے:

"بولشویزم اپنی ڈکٹیٹرشپ کے ساتھ بلاشبہ ایک استبداد ہے، جسکی شدت قدیم استبداد سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے[۲]"

ایک مرتبہ کمیونسٹ کانگریس کے کھلے اجلاس میں ایک روسی کسان نے برملا کہا:

"رائے عام محض ایک کھلونا ہے۔ اگر اشتراکی لیڈر چاہیں تو ایک روز

---

[۱] ترجمان القرآن - ڈکٹیٹرشپ کا قیام لینن یا اسکے جانشین اسٹالن کی ذاتی حرص کا نتیجہ نہیں، جیسا کہ بادی النظر میں ایک شخص قیاس کریگا۔ بلکہ دراصل اشتراکی نظام ایک شدید آہنی گرفت کے بغیر نہ قائم ہو سکتا ہے، نہ قائم رہ سکتا ہے، اسلیے خود اشتراکی نظام کی فطرت ہی ایک جابر و قاہر ڈکٹیٹر کی طالب ہے۔ وہ ہر وقت ایک ایسی طاقت کا تسلط چاہتی ہے جو ملک کے باشندوں کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھے، اور قتل و غارت گری کیلیے ہر وقت مستعد رہے، کیونکہ اشتراکیت دراصل انسانی فطرت سے جنگ ہے۔ انسان جب تک انسان ہے وہ ہمیشہ ایسے غیر فطری نظام کے خلاف آمادۂ بغاوت رہیگا۔ اس بغاوت کو ہولناک طریقوں سے کچلنے کی طاقت اگر موجود رہے تو اشتراکی نظام قائم رہ سکتا ہے۔ جہاں یہ طاقت ہٹی اور اس نظام کا تار و پود بکھرا۔

[۲] Religion Under the Soviet. P. 184

کوئی مٹھو ہمارے نمائندے کی حیثیت سے یہاں بیٹھا نظر آئیگا"

کیسے تعجب کا مقام ہے کہ جو لوگ خدا پرستی کے عقیدے کو صرف اسلیے مٹانا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک "یہ عقیدہ جبر و استبداد کی اولین اساس ہے" انہوں نے خود خدا کی جگہ لے لی ہے اور ضمیر کی ادنیٰ سی ملامت کے بغیر وہ بدترین قسم کا جبر و استبداد قائم کیے ہوئے ہیں۔

پھر اپنے سب سے بڑے دعوے ـــــ یعنی جمہور کی مصیبتوں کا علاج کرنے میں اشتراکی روس کو کیا کامیابی ہوئی؟ انکے انقلابی نظریات اور انکی معاشی تجاویز کو سنیے تو کان کے پردوں پر ان کا بڑا وزن محسوس ہوگا مگر حقیقت میں دیکھیے تو روسی کاشتکاروں اور مزدوروں کی حالت کو انکی کوئی اسکیم بھی نہ سدھار سکی۔ مسٹر ڈینس وہیٹلے (Dennis Wheatley.) جو ایک غیر جانبدار مبصر ہے، اپنی کتاب (Red Eagle) میں لینن کی وفات سے ۱۹۳۷ء کے موسم خزاں تک کی کیفیت پر تبصرہ کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے لینن کے دورِ حکومت کی بے لگام سختیوں کا ذکر کیا ہے، اور اب تک روسی عوام کا ایک بڑا حصہ جن مصائب میں گرفتار ہے انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ ایک روسی مزدور کے یہ الفاظ نقل کرتا ہے:

"حالات خراب ہیں . . . . بعض مقامات پر تو وہ اتنے خراب ہیں کہ آپ ان پر یقین نہ لائینگے۔ ہمیں اب مصیبتوں کی عادت پڑ گئی ہے، اسلیے کسی نہ کسی طرح زندگی گذار لیتے ہیں، مگر بیرونی ممالک کے کارکن جب یہاں آکر ان حالات کو دیکھتے ہیں تو ہیبت زدہ ہو جاتے ہیں"

مسیحی اور اسلامی اخلاقیات کے اصول چھوڑ کر جدید اشتراکی تخیلات کو عمل کا جامہ پہنایا گیا ہے، مثلاً "آزاد محبت" (Free Love.) ہر قسم کی حیوانی خواہشات کو پورا

کرنے کا بے قید لائسنس، سستا نکاح اور اس سے بھی زیادہ سستا طلاق (درحقیقت روس میں نکاح کی جو حیثیت اب رہ گئی ہے اس پر لفظِ نکاح کا اطلاق ہی درست نہیں ہے) اور ایسے ہی دوسرے اصول - مگر نتیجہ کیا؟ روس عملاً حیوانات کی سرزمین بن گیا ہے، اباحت مطلقہ اپنی تمام ناگزیر خرابیوں کے ساتھ پھیلی ہوئی ہے، جس نے اشتراکی سوسائیٹی کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا ہے - ایک ممتاز روسی سائنس دان اینٹون نیمیلوف (Anton - Nemilov) جو اشتراکیت کا بڑا پرجوش حامی ہے، اپنی کتاب "عورت کا حیاتی حزنیہ" (Biological Tragedy of Woman) میں اعتراف کرتا ہے کہ مزدوروں میں صنفی انارکی عالمگیر ہوگئی ہے - وہ شہوانیت کے اُس طوفانِ عظیم کو جو اشتراکی سوسائیٹی کے اونچے طبقوں سے لیکر نیچے طبقوں تک سب پر چھایا ہوا ہے، سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور تنبیہ کرتا ہے کہ یہ غیر معمولی صورت حال آخر کار اشتراکی نظام کو تباہ کر کے رہیگی[1] (ملاحظہ ہو کتاب مذکور صفحہ ۲۰۳ - ۲۰۲) مسٹر دو میلے (Domillet.) جو روس میں بلجیم کے

---

[1] ترجمان القرآن - مشہور اشتراکی اخبار پروا (Pravda.) میں اب سے چند سال قبل ایک مضمون نکلا تھا جسکے متعلق روسیوں کا کوئی بڑے سے بڑا حامی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سرمایہ داروں کا پروپیگنڈا ہے - اس مضمون کے یہ الفاظ قابلِ ملاحظہ ہیں :-

"محبت کے معاملات میں ہمارے نوجوان چند خاص اصول رکھتے ہیں، اور ان سب اصولوں کی تہ میں یہ تخیل کارفرما ہے کہ جسقدر زیادہ تم حد کو پہنچنے میں کامیاب ہوگے، یا بالفاظ دیگر جسقدر زیادہ تم حیوانیت سے اقرب ہوگے، اسی قدر زیادہ تم اشتراکی ہوگے - ہر فیکلٹی کا ہر ممبر، ہر طالب علم خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس بات کو اصول متعارفہ میں سے شمار کرتا ہے کہ محبت کے معاملات میں جہاں تک ممکن ہو اسکو اپنے اوپر کوئی قید عائد نہ کرنی چاہیے - اسی طرح کے اصول متعارفہ میں سے ایک اصل

کونسل رہ چکے ہیں، ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ صنفی انارکی کے باعث اس وقت روس میں تقریباً ۵۰ لاکھ بچے ایسے ہیں جن کا کوئی ولی و وارث نہیں اور جنکی پرورش کا کوئی انتظام نہیں۔ مزید برآں بکثرت کمسن لڑکیاں جن میں بارہ بارہ برس کی بچیاں بھی شریک ہیں، پیٹ بھر روٹی حاصل کرنیکے لیے مجبور ہوتی ہیں کہ اپنے جسم کو بے دردی اشتراکی نوجوانوں کی حیوانی خواہشات پوری کرنے کیلیے ان کے حوالے کردیں۔ حکومت اسکو بھی من جملہ ان پرائیویٹ تجارتوں کے شمار کرتی ہے جنکی اجازت دیکر اپنا مقررہ حصہ وصول کرلینا اس کا حق ہے۔

ایک امریکن مصنف مسٹر بیل (Fred & Beal) نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام (Word of Nowhere) ہے۔ یہ شخص ایک ممتاز مزدور لیڈر رہے اور اسنے اپنی پوری زندگی مزدوروں کی خدمت میں صرف کی ہے۔ امریکہ میں اس کے خلاف سازش

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۔ یہ بھی ہے کہ ہر لڑکی جو لیبر فیکلٹی میں داخل ہے اس پر یہ لازم ہے کہ جب اسکے نوجوان ساتھیوں میں سے کسی کی نظرِ انتخاب اس پر پڑے تو وہ بلا حیل وحجت اپنے آپ کو اس کے سپرد کردے"

اشتراکی نظام کی ایک ممتاز رکن مادام سمیدووِش (Smedovich) نے صنفی انارکی کے متعلق بکثرت واقعات نمونہ کے طور پر پیش کیے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتی ہے کہ ایک روز (Foundling Hospital) میں سولہ سولہ سال کے دو لڑکے ایک بچے کو لیکر آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ یہ ہم دونوں کا مشترک بچہ ہے۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ درحقیقت ان دونوں میں سے کون اس بچے کا باپ ہے۔ آگے چل کر وہ لکھتی ہے کہ نوجوان اشتراکیوں کے نظام میں "افریقی راتیں" (African Nights) منانے کا رواج بکثرت پھیل گیا ہے جنکی وجہ سے یہ ادارے نوجوانوں کا مرکز و مرجع بن گئے ہیں۔ ان افریقی راتوں میں بکثرت لڑکیوں کی زندگیاں خراب کردی جاتی ہیں، اور اسی وجہ سے اب عورتیں ان اداروں میں شریک ہوتے ہوئے گھبرانے لگی ہیں۔ اس تباہ کن صنفی انارکی کا تمام الزام صرف

کا مقدمہ قائم ہوا اور وہ جان بچا کر روس بھاگ گیا۔ وہ ایک سخت متعصب اشتراکی تھا، مگر جب اپنے اشتراکی تخیلات کی جنت کو اس نے اندر سے دیکھا تو وہ اس قدر دل برداشتہ ہوا کہ اس نے امریکہ واپس جانیکا تہیہ کر لیا، درانحالیکہ امریکہ کی سرزمین میں اسکے لیے حبس دوام کی سزا پہلے سے تیار تھی۔ بدقت تمام اسے اس بات پر راضی کیا گیا کہ وہ روس کو پھر ایک موقع دے۔ چنانچہ چند سال تک وہ خارکوف (Kharkov) کے ٹریکٹر پلانٹ میں ایک افسر اشاعت کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ مگر روس کے حالات دیکھ دیکھ کر آخر کار وہ اس قدر مایوس ہوا کہ اسکو امریکہ واپس جانا ہی پڑا۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"میری ساری عمر مزدور تحریک میں بسر ہوئی، اور میں زندگی بھر اسی کوشش میں لگا رہا کہ خود اپنے اور اپنے ساتھی کارکنوں کے افق کو زیادہ سے زیادہ وسیع اور درخشاں کروں۔ . . . . . میں دو دنیاؤں کا نکالا ہوا ہوں، ایک سرمایہ دارانہ انصاف کی دنیا، اور دوسری اشتراکی انصاف کی دنیا۔ جو تاریکی میں نے دیکھی ہے کسی زمین دوز قید خانے کی تاریکی بھی اس سے بڑھ کر گہری اور دم گھونٹنے والی نہیں ہو سکتی، یہ ایک مٹنے والی تہذیب کی تاریکی ہے۔ . . . . اگر کوئی شخص بولشیوک نظام پر ایمان لانے کے لیے پہلے سے تیار تھا، تو وہ شخص میں خود تھا۔ مگر جس سرزمین کی طرف میں نئی آزادی کی تلاش میں بھاگ کر گیا، وہاں میری ساری عقیدت مندیوں کے پرزے اڑ گئے یہ دیکھ کر کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۔ غلط اخلاقی نظریات ہی پر عائد نہیں ہوتا بلکہ بڑی حد تک اس کی ذمہ داری روسی حکومت کے اس انتظام پر بھی عائد ہوتی ہے کہ اس نے مزدوروں، کارکنوں اور طالب علموں کو ایسے مکانات میں رکھا ہے جہاں لڑکے اور لڑکیاں، مرد اور عورت سب خلط ملط ہو کر رہتے ہیں۔

اس نئے مسلک میں انسانی روح کا فقدان کسی قید خانہ کی دیواروں سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے"

علمائے اسلام سے ایک گذارش مغرب کے سیاسی اقتدار کی بدولت مادّہ پرستی رفتہ رفتہ اسلامی ممالک میں بھی نفوذ کرتی جا رہی ہے اور مذہب کی گرفت غیر محسوس طریقہ پر مگر سرعت کے ساتھ کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ موجودہ زمانہ میں مادّہ پرستی کو سب سے زیادہ طاقت کمیونزم سے مل رہی ہے۔ یہ نیا مسلک غریبوں اور مفلسوں کی ہمدردی کا بھیس لے کر آتا ہے اور بدترین قسم کی مادّہ پرستی اس پردے میں پھیلاتا چلا جاتا ہے۔ تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو کمیونزم اور اس کے مادّی فلسفہ کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ اسلام ظالمانہ سرمایہ داری کا مخالف ہے، مظلوموں اور غریبوں کا حامی ہے، اور خود اپنا ایک معاشی لائحۂ عمل رکھتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ انسانی روح کے تمام اونچے سے اونچے حوصلوں کے لیے ایک خالص عقلی بنیاد پر تکمیل کے ذرائع بہم پہنچاتا ہے مگر جب تک اسلام کے معاشی لائحۂ عمل کو نافذ نہ کیا جائے، جب تک اسلامی تہذیب کو عمل کی دنیا میں قائم نہ کر دیا جائے، جب تک اسلام کا علم رکھنے والے دنیائے جدید کے مسائل پر پوری توجہ نہ صرف کریں، اور عالم انسانی کی امامت کا منصب سنبھالنے کے لیے اٹھ نہ کھڑے ہوں، اسلام ان لامذہبی اثرات کے مقابلے میں بے بس ہی رہیگا۔

نوجوانانِ اسلام سے خطاب اس مضمون میں کمیونزم پر جو مختصر تبصرہ کیا گیا ہے اس سے یہ حقیقت بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام اور کمیونزم دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے جو لوگ کمیونزم کی پیروی پر اصرار کرتے ہیں ان کے لیے ایک ہی راستہ کھلا ہوا ہے، وہ اسلام کو خیرباد کہیں اور اپنے اسلامی نام بدل ڈالیں۔ کمیونزم کے اخلاق میں جائز ہو تو ہو

مگر انسانی اخلاق میں تو یہ نہایت شرمناک فعل ہے کہ وہ اپنے اسلامی ناموں کے پردے میں اسلام کی جڑ کاٹنے کی کوشش کریں۔ خود مسلمانوں پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان اشتراکی ملاحدہ کو اپنے گروہ میں نہ رہنے دیں اور انہیں مجبور کردیں کہ وہ اپنے ارتداد کا کھلم کھلا اعلان کرکے اسلامی جماعت سے خارج ہو جائیں۔

۳۸ء کی چند کتابیں

دلی کا سنبھالا:- (از خواجہ محمد شفیع دہلوی) مرحوم دہلی کے ایام عروج کی مرقع نگاری دہلی کی ٹکسالی زبان میں کی گئی ہے جواب نابود ہے، اندازِ بیان ایسا مؤثر ہے کہ دل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ قیمت مجلد عہ/

لطائف غالب:- (مسنر ایم۔ اے شاہ) مرزا اسد اللہ خاں غالب کی شوخیٔ بیان، خوش طبعی اور ظرافت سے محظوظ ہونیکے لیے اسے ضرور پڑھیے۔ قیمت ۳ر

شعلۂ طور (طبع ثانی) حضرت جگر مرادآبادی کے کلام کا مجموعہ۔ بالکل نئی ترتیب، بہت کچھ تازہ کلام کا اضافہ۔ قیمت کم کردی گئی ہے یعنی ۳ر کے بجائے ۲ر

سبدِ چین:- مرزا اسد اللہ خان غالب کے نایاب فارسی کلام کا مجموعہ جس میں انکے وہ فارسی قطعات، ترجیع بند، ترکیب بند، مثنویاں، نظمیں، غزلیں اور رباعیاں شامل ہیں جو انکی کلیات میں موجود نہیں ہیں مع مکمل سوانح حیات قیمت ۱۲ر

ذکر غالب:- مرزا غالب کی مختصر اور جامع لیکن مکمل اور مستند ترین سوانحعمری جس میں بہت سی نئی باتیں پیش کی گئی ہیں اور جو طلبا کیلیے خاص طور سے بہت مفید ہے۔ قیمت ۸ر

مکتبہ جامعہ دہلی ——— نئی دہلی ——— لاہور